خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
اور
قومی یکجہتی

(از ڈاکٹر احتشام بن حسن، اسلامک اسٹیڈیز، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ)

قدیم ہندوستان کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہاں کی مخلوق کسی نہ کسی انداز سے مذہبی
ندگی میں آسودگی کی تلاش میں تھی۔ یہاں کے رشی منی، مہاتما ہر ایک نے کرشن کے اپدیشوں
پرچار کیا۔ سنجائی، سلامتی اور صلح و آشتی کی صدائیں بلند کیں۔ مذہبی لوگ "گیتا" کے
محبت آمیز مطالعوں میں لذتِ ذہنی حاصل کرتے رہے، لیکن طلوعِ اسلام کی کرنیں سر زمینِ
ند پر جس طرح رو حانیت کا پیغام لے کر پڑیں، ان کی ضوفشانی نے "بتکدہ ہند"
رحمت سے منور ہوگیا، اس سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا کہ عرب تاجر اپنے سینوں میں
ما کر "نورِ توحید" ساحل تک لے آئے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس نورِ ربانی کی
وفشانی میں مشائخ، وصلحا، زہاد اور اولیا کرام کا سب سے زیادہ حصہ ہے جو اس ملک
کونے کونے میں پہنچے اور شریعت مطہرہ کی تعلیم و ترویج میں لگ گئے۔ سندھ سے
کر جنا گانگ تک شمال و جنوب کے گوشہ گوشہ میں پیغامِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم)
پھیلانے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح، خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی، شیخ

قطب الدین بختیار کاکیؒ، شیخ حمید الدین صوفی ناگوریؒ، شیخ بہاء الدین زکریاؒ، خواجہ محمد ترک نارنولیؒ، شیخ احمد سرہندی ملتانیؒ۔ شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، امیر حسن سنجریؒ، شیخ نصیر الدین چراغؒ، شیخ اخی سراجؒ، شیخ برہان الدین غریبؒ۔ بندہ نواز گیسو درازؒ، شیخ علی متقیؒ، شیخ شمس الدین ترک، شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شیخ جلال الدین تھانیسریؒ، شیخ سلیم چشتیؒ، شاہ کلیم اللہؒ، حاجی امداد اللہؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہم کے لاتعداد سلسلۂ فیض روحانی سے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعتِ دین کا کام انجام پایا۔ اور صوفیاء کرام کے انہی سلسلوں کے ذریعہ اسلامی تعلیمات صدیوں سے جاری و ساری ہیں۔ ایک ہندوستانی مؤرخ جناب این سی مہتا (آئی، سی، ایس) نے ہندوستان پر اسلامی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہوئے ہندوستانی تہذیب اور اسلام کے زیرِ عنوان لکھا ہے:۔

"اسلام یہاں صرف ایک نورانی مشعل لایا تھا جس نے زمانۂ قدیم میں جب کہ پرانے تمدن انحطاط پذیر ہو رہے تھے اور پاکیزہ مقاصد محض ذہنی معتقدات بن کر رہ گئے تھے، انسانی زندگی کو چھائی ہوئی ظلمتوں سے پاک کر دیا۔ دیگر ممالک کی طرح ہندوستان میں بھی سیاست سے زیادہ خیالات کی دنیا میں اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، آج کی اسلامی دنیا بھی ایک روحانی برادری ہے جس کو توحید اور مساوات کے مشترک عقیدے کا ایمانی رشتہ باہم منسلک کئے ہوئے ہے۔" [1]

روحانیت کے اس پیغام کو لے کر جس طرح علماء و مشائخ، صوفیاء نے ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ کر پہنچایا اور مخلوق کے ذہن میں خالق کی عظمت و محبت پیدا کی، اس جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے لکھا ہے کہ:۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیائے کرام ہی کی ذات سے ہوا خاص طور پر خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مخلص اور پُرزور ہاتھوں سے یہاں چشتی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی۔ اس کے بعد خواص و عوام شاہ و رعیت، سبھی نے ان بےغرض اور پاک نفس درویشوں اور مردانِ خدا سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا اور اس برِ اعظم کے ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشے تک خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کا ایک جال بچھ گیا۔ مرکزی شہروں کو چھوڑ کر کوئی قابلِ ذکر قصبہ اور مقام اس سے محروم نہ رہا۔

بقول مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

"غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیاء اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں۔ ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے خضر خاں ولی عہد سلطنت سلطان المشائخ کے دربار کا حلقہ بگوش تھا ——————— اور علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا لیکن ایک خزانہ ایسا بھی تھا جس میں اسے بھی مال گزاری داخل کرنا پڑتی تھی ....."

انہی پاک طینت صوفیا کے حلقہ میں امراء غربا یکجا بیٹھتے، روحانیت کو بیدار کرنے والے لمحات سے مستفیض ہوتے اور خودداری و خودشناسی کی ایسی روایت بناتے جو زندگی میں انقلاب پیدا کر دیتی ان کی بےنفسی کا یہ حال تھا کہ:—

من دلق خود بافسر شاہاں نمی دہم — من فقر خود بہ ملک سلیماں نمی دہم

از رنج فقر در دل گنج کہ یافتم — ایں رنج را براحتِ شاہاں نمی دہم

صوفیا بلا امتیاز رنگ و نسل، قوم و ملت، حسب و نسب ہر ایک سے محبت کرتے ان کی

تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے، ان کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہوتا کہ :-

الخلق عیال اللہ فاحبہم الی اللہ انفعہم لعیالہ،

"مخلوق خدا کا کنبہ ہے، خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کنبہ کے سب سے زیادہ کام آنے والا ہے"۔

وہ ساری دنیا کے غم خوار تھے اور بجا طور پر یہ کہہ سکتے تھے :- ع

"سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"

حضرت نظام الدین اولیاء نے بیان فرمایا کہ "جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے، اس سے دو چند فکر و تردد و غم و الم مجھے ہوتا ہے"۔ [1]

ایک مرتبہ فرمایا "قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور پوچھ گچھ نہ ہوگی جتنی دلداری اور دل خوش کرنے کی"۔ [2]

اسی دلداری کو حج اکبر کے برابر سمجھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ بیکسوں، مجبوروں مظلوموں اور ناداروں کے ساتھ حسن سلوک اور حاجت برآری نے سوسائٹی میں ایسے ویرانہ نقوش چھوڑے کہ نسلوں کی نسلیں متاثر ہوتی چلی گئیں۔ انہی صوفیا کی روحانی تعلیمات کے اثر سے زندگیوں میں انقلاب برپا ہوتے رہے ہیں تعلق باللہ کی شمع روشن ہو کر دوسروں کے دلوں کی تاریکی کو متاثر کرتی ہے۔ اسلامی تصوف رہبانیت کی تلقین نہیں کرتا بلکہ وہ تنقیہ نفس اور تصفیہ قلب کی ایسی پریکٹس کراتا ہے جو انبیاء کرام کا اسوہ اور طریق عمل رہا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ یہ خیال یقیناً غلط ہے کہ صوفیاء کی ریاضت، مجاہدہ اور وجدان سے ان میں دنیاوی عیش و عشرت اور بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ جیسے جیسے قلب پر پر تو نور ربانی کا نزول ہوتا ہے ماسوا کی ہر چیز حقیر اور ہیچ نظر آنے لگتی ہے۔ عوام الناس اس کیفیت کو جو نام بھی دیں لیکن

حقیقتِ ابدی اور طریقِ محمدی یہی ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

داتا گنج بخش کے اقوال میں ہے کہ صوفی وہ ہے جس کی گفتار اور کردار ایک سے ہوں۔ پھر فرمایا کہ انسان کے لئے سب چیزوں سے مشکل خدا کی پہچان ہے۔ یہی بصیرت صوفیا کو تعلق باللہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی بصیرت کی تلاش میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی پشاور سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچے اور شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش علی مخدوم ہجویری کے آستانۂ مبارک پر حاضر ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ دو سال تک آپ داتا صاحب کے آستانہ پر معتکف رہے اور جب روانہ ہوئے تو زبان سے بے ساختہ یہ شعر نکلا:۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ جس تبلیغی مشن کو لے کر ہندوستان پہنچے تھے ان کے سامنے پورے ہندوستان میں کفر و الحاد اور توہمات کی پھیلی ہوئی تاریکی تھی۔ سیاسی اعتبار سے بھی مسلمان سلاطین کو مکمل تسلط حاصل نہ ہو سکا تھا۔ غیر مسلم بتوں کی عبادت میں مصروف تھے۔ غرضیکہ اہلِ اسلام کی دینی و روحانی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی ان میں شریعتِ اسلامیہ کا احترام اور جذبۂ ایمان کی لگن مفقود تھی۔ محمد بن قاسم کے آنے کے بعد علماء و صوفیا نے اگرچہ تبلیغ و اشاعت کا بڑا کام انجام دیا لیکن ان کا دائرۂ عمل محدود تھا تاہم ہندو مسلم کشیدگی، منافرت اور آپسی عنادی فضا کو تبدیل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ توحید ربانی اور حمد خداوندی سے یہاں کی مخلوق بے بہرہ تھی دراصل حقیقت خدا پرستی اور صنم پرستی کے درمیان بنیادی ٹکراؤ کی وجہ سے دلوں میں نفرت جڑ پکڑ چکی تھی۔

اوہام باطلہ نے ذہنوں کی غور و فکر کی صلاحیت کو سلب کر رکھا تھا۔ ہندوستان پراگندگی کا شکار تھا۔ فرقہ بندی ذات پات کی تفریق اور بے یقینی نے دلوں کی امنگ کو مسدود و مسموم کر رکھا تھا۔ غرضیکہ ضرورت تھی کہ کوئی مردِ خدا پیامِ حق لے کر مخلوق کی دستگیری کرکے ان کو معبودِ حقیقی سے آگہی بخشے۔ ان کی مضطرب روح کو سکون اور قلب حزیں کو راحت دے کر ابدی لذتوں سے سرفراز کرے۔ ان کو آخرت کے عذاب و ثواب سے متنبہ کرے اور دل کی اجڑی ہوئی بستی میں امنگوں کی شمع روشن کرکے نورِ محمدی کی عکس پاشی سے بھٹکتی ہوئی روح کو ابدی سکون کی منزل پر لے جائے۔ یہ کام اولوالعزم مفکر اور فلسفی کا نہیں بلکہ عارف باللہ اور ولی اللہ کا ہے۔ اسی مشن کو لے کر خواجہ اجمیریؒ چالیس خدا پرست درویشوں کی معیت میں دہلی پہنچے اور ایک میدان میں قیام فرمایا۔ اس زمانہ میں دہلی کا ہندو راجہ پورے عروج پر تھا۔ شہاب الدین غوری بھی دہلی کے چوہان حکمران سے شکست کھا کر واپس جا چکا تھا۔ ہندوؤں کے دلوں میں ان حملوں کے تازہ زخم تھے، اس لئے سخت نفرت و تعصب پھیلا ہوا تھا۔ پورے ہندوستان پر راجاؤں کی حکمرانی تھی۔ پرتھوی راج کی مضبوط حکومت سمجھی جاتی تھی۔ ایسے ناموافق حالات کا مکمل جائزہ لیکر خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ نے اپنے نامور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو دہلی قیام کرنے کی ہدایت دی اور تبلیغ اسلام کی ذمہ داری سپرد کرکے دہلی سے اجمیر کا رخ کیا۔ اجمیر اس زمانے میں تاراگوڑھ کے زیریں علاقہ کو کہتے تھے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر میدان میں ایک درخت کے سایہ میں قیام کیا۔ اس جگہ راجہ اجمیر کے اونٹ بیٹھا کرتے تھے۔ جب ساربانوں نے مسلمانوں کی اس جماعت کو وہاں قیام پذیر دیکھا تو فوراً احتجاج کیا کہ یہ جگہ خالی کر دیں۔ خواجہ اجمیر علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ "اچھا ہم چلے جاتے ہیں، راجہ کے اونٹ ہی بیٹھے رہیں گے۔" آپ وہاں سے تشریف لے گئے اور حسبِ معمول راجہ کے اونٹ آکر بیٹھ گئے۔ صبح کو ساربانوں نے جب اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو ایک بھی نہ اٹھ سکا

زمین نے اُن کے گوشت کو ایسے پکڑ لیا کہ پھر اٹھنا محال ہوگیا۔ساربان گھبرا گئے کہ جن درویشوں کو یہاں سے اُٹھایا تھا اُن کی ناراضگی کی وجہ سے یہ ہوا ہے۔یہ بات راجہ کو بتائی گئی تو راجہ نے ساربانوں سے کہا کہ تم اُن فقیروں سے معافی مانگو، یہ رحم والے لوگ ہوتے ہیں، معاف کر دیں گے "چنانچہ آپ کی خدمت میں عرضداشت پیش کی گئی، آپ نے فرمایا "جس کے حکم سے وہ بیٹھ گئے ہیں اُسی کے حکم سے کھڑے ہوں گے" ساربانوں نے واپس جاکر اُن اونٹوں کو کھڑا ہوا پایا۔اس واقعہ سے اس علاقہ کے غیر مسلموں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی صاحب کرامت شخصیت کا تعارف ہوگیا۔اور لوگ جوق در جوق اُن کے دیدار اور معرفت باطنی کے لئے ان کی خدمت میں آنے لگے۔عقیدت و نیازمندی کے نذرانے پیش کرنے لگے، اس طرح غیر شعوری طور پر ان کا رابطہ و تعلق social contact عوام الناس سے ہوگیا۔

حاضرین کے دلوں میں آپ کے اخلاقِ حسنہ، بزرگی، موحدانہ بصیرت، حُسنِ سلوک، التفاتِ کریمانہ کی چھاپ پڑنے لگی۔جن دلوں میں نفرت و کدورت تھی، جن دماغوں میں غیر اللہ کی برتری تھی، جن کے ماحول میں توہمات کی گردش تھی، وہ سب کے سب اس مجسمہ الوہیت و وحدانیت کے گرد طواف کرنے لگے۔اور آہستہ آہستہ اُن کے قلوب پر علوم باطنی اور رموز ربانی کی ضوفشانی ہونے لگی۔اسلام کی آواز سے زندگیاں بدلنے لگیں۔ایک خاموش انقلاب گردونواح کی آبادیوں کو تہہ و بالا کرنے لگا۔اس طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا مشن آگے بڑھا۔دوسری طرف آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور شہرت سے راجہ کے درباری متوحش ہوئے اور انھوں نے سیاسی حیلہ گری سمجھتے ہوئے آپ کے خلاف راجہ رائے پتھورا کو اُکسانا شروع کر دیا۔یہاں تک کہ راجہ حضرت اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف زبان درازی کرنے لگا۔

ایک واقعہ درمیان میں یہ پیش آیا کہ راجہ کے دربار کے ایک مسلمان ملازم نے حضرت خواجہ کی "انسان دوستی" فرشتہ صفتی، حسنِ اخلاق، محبت و شفقت اور شرافت و کرامت کی باتیں دربار میں بیان کیں۔ تو راجہ ان باتوں کو سن کر اس مسلمان پر سختی کرنے لگا۔ اور آئے دن اس کو ستانے و پریشان کرنے لگا۔ اس سادہ لوح انسان کو اس بات کا شبہ بھی نہ تھا کہ یہ سب حضرت خواجہ کی وجہ سے میرے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے راجہ سے ایذا پہنچنے کا خدشہ ہے اگر آپ میرے حق میں سفارش فرما دیں تو راجہ مجھ پر عتاب نہ کرے۔ حضرت خواجہ نے ازراہِ ہمدردی راجہ سے جا کر اس شخص کی سفارش کر دی۔ اس سفارش نے اس کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا اور راجہ نے دربار میں حضرت خواجہ اجمیریؒ کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے یہ بات آپ تک پہنچ گئی۔ راجہ درحقیقت مسلمانوں کی بڑھتی تعداد سے خوف زدہ تھا۔ اگرچہ اس کے پاس فوج و اسلحہ تھے لیکن وہ خواجہ اجمیریؒ کی عظیم المرتبت شخصیت کی بڑھتی ہوئی مقبولیت، دینِ حق کی روز افزوں ترقی کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کو اسلام کی دعوت بھی دی گئی لیکن کوردل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ حضرت خواجہ نے ناخوشگواری میں یہ الفاظ لکھ کر راجہ کو بھیج دیئے کہ "من ترا زندہ بدست لشکر اسلام بسپردم۔ (یعنی میں نے تجھے زندہ پکڑ کے لشکر اسلام کے حوالے کیا) سیاسی حالات نے کروٹ لی، تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں کہ "محمد غوری" نے یلغار کر کے ساری ریاست کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ حضرت خواجہ اجمیری کی وہ پیشین گوئی آخر سچ ثابت ہوئی اور راجہ گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ آپ کی تعلیمات کا اثر پھیلتا ہی چلا گیا۔ لاکھوں افراد نے تسبیح و زنار کو توڑ پھینکا اور اسلام قبول کر لیا ؎

"پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے"

خواجہ معین الدین چشتی کے فیضانِ روحانی اور اخلاقِ حسنہ سے لاکھوں غیر مسلموں نے

اپنا مذہب تبدیل کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ کے خلفاء نے ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں تبلیغ اسلام کا کارنامہ انجام دیا۔ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں جہاں ہر خطہ کی زبان جدا، رنگ جدا، تہذیبی روایات جدا۔ جہاں عقیدہ و عبادت کے طریقے جدا۔ جہاں "روحانیت" کی قدریں جدا۔ وہاں وحدانیت کی ایک ہمہ گیر آواز ہی وحدت فکر بیدار کر سکتی تھی۔ ہندوستان کی روحانی زندگی کی تاریخ مرتب کرنے والوں کو اسلام کی ہمہ گیریت کے ثبوت ہر قدم پر ملیں گے۔ درویشوں اور صوفیوں نے نہایت خاموش طریقہ پر دینی تعلیمات کو عملی نمونہ بنا کر پیش کیا جس کا اثر بہت دور رس اور نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ بعض معتدل مزاج مورخین نے اس کا اعتراف کھلے دل سے کیا ہے کہ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ تلوار کی تابناکی جبر و تشدد اور دباؤ سے نہیں بلکہ محبت و بھائی چارہ، خلوص، حسن عمل اور اعلیٰ کردار کے ذریعہ انجام پائی "صوفیاء" شہری زندگی کی چکاچوند، سحر کاری سے ہٹ کر پرسکون خانقاہوں میں بیٹھ کر پیغام الٰہی کی تبلیغ میں مصروف عمل رہے۔ ان کے گرد لاکھوں مضطرب دل جمع ہو گئے اور فیض ربانی کے سرچشموں سے سرشار ہونے لگے۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب :-

"The Influence of Islam in India"

اور ایشوری پرشاد نے اپنی کتاب

"A Short History of Muslim Rule in India"

میں اور بی اے چکرورتی نے

"Hindus and Musalmans of India"

میں مختلف عنوانات کے تحت اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کی روحانی تعلیمات ہندوؤں کے عقائد پر بڑی تیزی سے اثر انداز ہوئیں اور "اسلام" کے محاسن اور اعلیٰ اصولوں کو اولیاء اللہ، صوفیوں، درویشوں نے اپنی نجی زندگی میں جس خوبصورت

انداز سے پیش کیا، اس سے ہندوستان کی بیکی ذاتیں متاثر ہوئیں اور یہاں کی تہذیب پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ سر ولیم ہنٹر نے مسلمانوں کے دینی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"مسلمان جہاں بھی گئے اپنے مذہب کی اشاعت کرتے رہے، کچھ تو بذریعہ تلوار لیکن زیادہ تر انسانی فطرت کے دو نہایت ہی اہم احساسات کی تحریک سے ہندوؤں نے دہانہ گنگا کی قدیم اقوام کو بھی اپنی برادری میں شامل نہیں کیا۔ مسلمانوں نے جملہ انسانی نزاعات کو برہمنوں اور اچھوتوں کے سامنے یکساں طور پر پیش کیا، ان پرجوش مبلغوں نے ہر جگہ یہ پیغام سنایا کہ ہر شخص کو خدائے واحد کے سامنے تمام انسان برابر ہیں اور مٹی کے ذروں کی طرح ان سب کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔"

ڈاکٹر راجیندر پرشاد اپنی کتاب "ہندوستان کا مستقبل" میں اسلامی رواداری اور ولیوں کی مقبولیت کے بارے میں لکھتے ہیں :-

"ہندو آج بھی مسلمان ولیوں کی درگاہ یا مزار، پر اسی کثرت سے جمع ہوا کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمان عرس کے موقعوں پر اجمیر شریف، صوبہ بہار میں بہار شریف، منیر شریف اور پھلواری شریف کے میلوں میں شرکت کیا کرتے ہیں بہت سے ہندو تو فی الحقیقت مسلمان ولیوں سے اسی قسم کے تعلقات رکھتے ہیں کہ جیسے گرو اور چیلے کے یا پیر اور مرید کے تعلقات ہوتے ہیں۔"

قومی اتحاد کا جو نظریہ اسلام نے پیش کیا ہے اس میں "انسان" کو برادری کے ایک رکن کی حیثیت دی ہے وکونوا عباد اللہ اخوانا ۔ اس میں رنگ و نسل ذات پات کے کسی عنصر کو شامل نہیں کیا۔ وہ بنی نوع انسان کو ایک برادری بتاتا ہے (انا شھید ان العباد کلھم اخوۃ) یہی وجہ ہے کہ مذہب میں انسانی معاشرہ کی اصلاح اور

انفرادی زندگی میں تزکیہ نفس کو اساس قرار دیکر پوری نسل انسانی میں وحدت فکر اور وحدت عمل کی تلقین کی گئی ہے۔ "رب العالمین" کی شانِ ربوبیت بھی یہی بتاتی ہے کہ ساری مخلوق بلا کسی امتیاز کے ایک ہی خالق کی مخلوق ہے۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند ۔ کہ در آفرینش زیک جوہر اند

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے ذریعہ ان مراتب کا تعین کر دیا گیا جو سماجی اونچ نیچ کا سبب بنے ہیں اور فتنہ و فساد کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ جو تعلیم قرآن نے دی ہے اسی کو صوفیاء نے عملی زندگی میں پیش کیا ہے۔ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ:۔

"تصوف کی ساری بنیاد اسی پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی رہے حرام اور مشتبہ چیزوں سے دست کشی کی جائے نا جائز اوہام وخیالات سے حواس کو آلودہ نہ کیا جائے۔ اور غفلتوں سے بچ کر اللہ کی یاد میں وقت گذاری کی جائے"۔

یہی وجہ ہے کہ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے کہ:۔

"نظر شیخ معین الدین بر ہر فاسق کہ افتادے در زمان تائب شدے، بار دگر معصیت نگشتے"۔

(شیخ معین الدین کی نظر جس فاسق پر پڑ جاتی وہ تائب ہو جاتا اور کبھی گناہ کے پاس تک نہ جاتا")۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے مشائخ چشت میں لکھا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رد نما ہونا تھا"۔ آگے چل کر لکھتے ہیں:۔ "گیارھویں اور بارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت صد درجہ تباہ تھی۔ ہر شخص نہ صرف اسیر امتیاز من و تو تھا بلکہ ایک دوسرے سے برسر پیکار۔ اتحاد فکر و عمل کا کہیں دور دور نام نہ تھا۔ چھوت چھات نے مدنی زندگی

کے سارے سرچشمے مسموم کر دئے تھے۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لئے مخصوص تھیں۔ غریب عوام جن مصائب میں مبتلا تھے۔ ان کی دردناک تصویر ابو ریحا البیرونی نے "کتاب الہند" میں پیش کی ہے۔ زندگی ان کے لئے بوجھ تھی۔ اللہ نے انھیں آدمی بنایا تھا لیکن اس کے بندوں نے انھیں جانوروں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ البیرونی لکھا ہے:-

"ہندوؤں میں بکثرت ذاتیں ہیں ہم مسلمانوں کا مسلک عام مساوات نیز ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم کے مطابق ان سے بالکل جداگانہ ہے اور یہی وہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہے" ۵

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی تفریق بے معنی ہو جاتی ہے - یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان جن کی زبوں حالی پکار رہی تھی ۔

"جینے سے مراد ہے نہ مرنا شاید"

صوفیاء کرام کے سماجی نظریات نے ان کے تصور دین اور نظریہ کائنات کے سائے میں پرورش پائی تھی وہ خدمت خلق کو عبادت کا درجہ دیتے تھے ع

"مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی"

حضرت خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار سوال کیا گیا کہ بہترین عبادت کیا ہے؟ فرمایا:-

"درماندگاں را فریاد رسیدن ۔ حاجت بے چارگاں روا کردن وگرسنگاں را اسیر گردانیدن"

اس طرح وہ انسانی کنبہ میں محبت و خداشناسی کا پیغام دیتے رہے ان کے ملفوظات کوائف و حالات آج بھی منبع فیض کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

کتابیات و ماخذ

(۱) تاریخ مشائخ چشت ۔ پروفیسر نظامی ص ۱۴۴

(۲) کتاب الہند ۔ پروفیسر زخاو ۔ (Ind culti socialfat)

(۳) ہندوستان کا مستقبل ۔ ڈاکٹر راجیندر پرشاد ۔ ص ۷۹

(۴) سیر العارفین قلمی بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی

(۵) سیر الاولیاء ص ۲۸

(۶) ہندوستان کے عہد وسطیٰ کی ایک جھلک مرتبہ صباح الدین عبد الرحمٰن

(۷) مضمون ہندوستانی تہذیب اور اسلام ص ۳۱۶

(۸) ہندوستانی مسلمان ۔ سید ابو الحسن ندوی

(۹) ہندوستان اسلام کے سایہ میں ۔ سید عابد علی وجدی